سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو نمبر ۸۴

اُردو کی ابتدائی نشو ونما

میں

صوفیائے کرام کا کام

نوشتۂ

مولوی عبدالحق صاحب

معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو (ہند)

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو ہند دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء

دوسری بار

جلد ۱۰۰۰

دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری

جس قدر انگلش اردو ڈکشنریاں اب تک شائع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع اور مکمل یہ ڈکشنری ہے۔ اس میں تخمیناً دو لاکھ انگریزی الفاظ اور محاورات کی تشریح کی گئی ہے۔ چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔ (۱) یہ بالکل جدید ترین لغت ہے۔ انگریزی زبان میں اب تک جو تازہ ترین اضافے ہوئے ہیں وہ تقریباً تمام کے تمام اس میں آگئے ہیں۔ (۲) اس کی سب سے بڑی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادبی، مقامی اور بول چال کے الفاظ کے علاوہ ان الفاظ کے معنی بھی شامل ہیں جن کا تعلق علوم و فنون کی اصطلاحات سے ہے۔ اسی طرح ان قدیم اور متروک الفاظ کے معنی بھی درج کیے گئے ہیں جو ادبی تصانیف میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۳) ہر ایک لفظ کے مختلف معانی اور فروق الگ الگ لکھے گئے ہیں اور امتیاز کے لیے ہر ایک کے ساتھ نمبر شمار دے دیا گیا ہے۔ (۴) ایسے الفاظ جن کے مختلف معنی ہیں اور ان کے نازک فروق کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا، ان کی وضاحت مثالیں دے دے کر کی گئی ہے۔ (۵) اس امر کی بہت احتیاط کی گئی ہے کہ ہر انگریزی لفظ اور محاورے کے لیے ایسا اردو مترادف لفظ اور محاورہ لکھا جائے جو انگریزی کا مفہوم صحیح طور سے ادا کر سکے اور اس غرض کے لیے تمام اردو ادب بول چال کی زبان اور پیشہ وروں کی اصطلاحات وغیرہ کی پوری چھان بین کی گئی ہے۔ یہ بات کسی دوسری ڈکشنری میں نہیں ملے گی (۶) ان صورتوں میں جہاں موجودہ اردو الفاظ کا ذخیرہ انگریزی کا مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے، ایسے نئے مفرد یا مرکب الفاظ وضع کیے گئے ہیں جو اردو زبان کی فطری ساخت کے بالکل مطابق ہیں۔ (۷) اس لغت کے لیے کاغذ خاص طور پر باریک اور مضبوط تیار کرایا گیا تھا جو بائبل پیپر کے نام سے موسوم ہے۔ طباعت کے لیے اردو اور انگریزی ہر دو خوبصورت ٹائپ استعمال کیے گئے ہیں۔ جلد بہت پائدار اور خوشنما بنوائی گئی ہے

(ڈمائی سائز، صفحات ۱۵۴۶) قیمت سولہ روپے علاوہ محصول ڈاک۔

اسٹوڈنٹس انگلش اردو ڈکشنری

یہ بڑی لغت کا اختصار ہے۔ لیکن باوجود اختصار کے بہت جامع ہے۔ صرف متروک اور غریب الفاظ یا بعض ایسی اصطلاحات جن کا تعلق خاص فنون سے ہے اور ادب میں شاذ و نادر استعمال ہوتی ہیں، خارج کر دی گئی ہیں۔

۱۸×۲۲ سائز، حجم ۱۴۸۱ صفحے، قیمت پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک۔

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو نمبر ۷۴،

اُردو کی ابتدائی نشوونما
میں
صوفیائے کرام کا کام

نوشتۂ

مولوی عبدالحق صاحب

معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو ہند)

شائع کردہ

انجمن ترقی اُردو ہند دہلی

دوسری بار | سنہ ۱۹۳۹ء | جلد ۱۰۰۰

اردو کی ابتداء

خان صاحب عبداللطیف نے لطیفی پریس دہلی میں چھاپا
اور
منیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیا
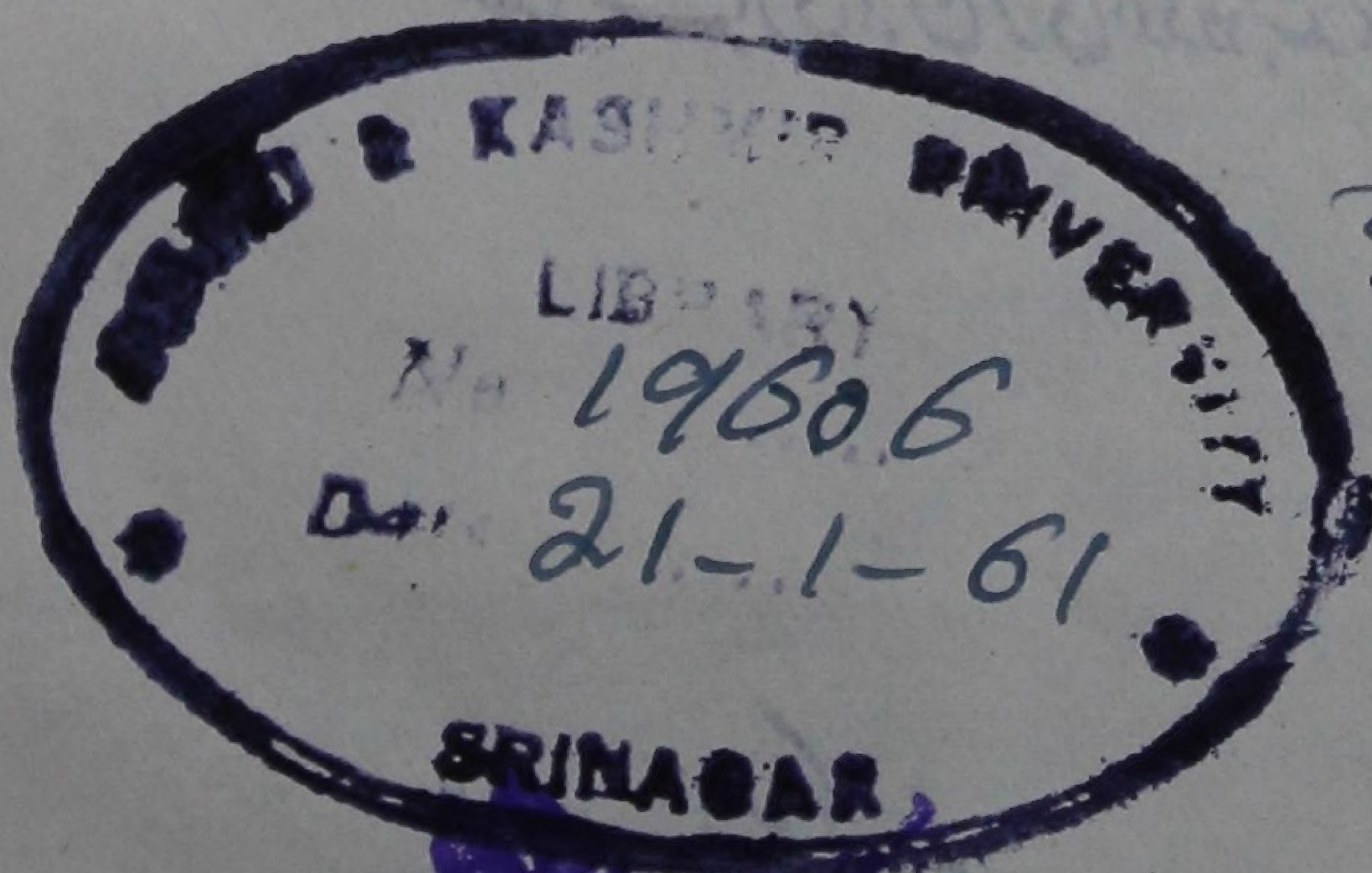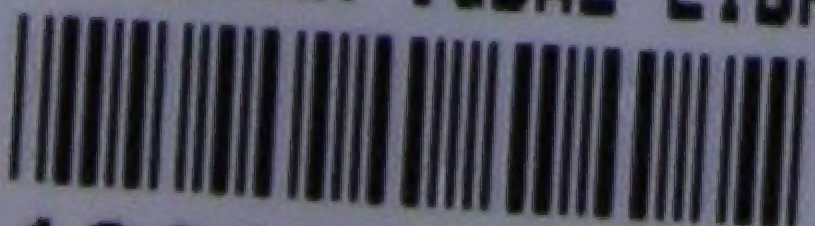
فہرست مضامین

اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام

سلسلہ نمبر	مضمون	صفحہ
۱	صوفی اور اس کی حیثیت	۱
۲	مسلمان درویشوں کی آمد ہندستان میں	۳
۳	ہندستانی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے کی ضرورت	۴
۴	مشاہیر اولیا کا ہندستانی میں اظہار خیال کرنیکی ایک معتبر شہادت	۴
۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح	۴
۶	حضرت فریدالدین شکر گنج رح	۵
۷	حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری	۹
۸	حضرت بو علی قلندر	״
۹	امیر خسرو	۱۰
۱۰	شیخ سراج الدین عثمان	۱۲
۱۱	شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۱۳
۱۲	حضرت شاہ برہان الدین غریب	״
۱۳	حضرت گیسو دراز بندہ نواز	۱۴
۱۴	حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم	۱۸
۱۵	حضرت سید محمد جونپوری	״
۱۶	شیخ بہارالدین باجن	۲۲
۱۷	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	۲۳
۱۸	حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری	۲۴
۱۹	شیخ وجیہ الدین احمد علوی	۲۵
۲۰	شیخ بہارالدین برناوی	۲۶
۲۱	سید شاہ ہاشم حسنی العلوی	۲۷
۲۲	شمس العشاق شاہ میراں جی	۳۴
۲۳	شاہ برہان الدین جانم	۴۵
۲۴	شاہ امین الدین اعلیٰ	۵۰
۲۵	سید میراں حسینی	۵۲
۲۶	قاضی محمود دریائی بیرپوری	۵۴
۲۷	شاہ علی محمد جیو گام دھنی	۵۷
۲۸	میاں خوب محمد چشتی	۶۰
۲۹	باباشاہ حسینی	۶۴
۳۰	گجراتی اور دکنی کا فرق	۶۵
۳۱	صوفیا کے کلام و تصانیف کی حیثیت اوران کا کام	۶۷
۳۲	خاتمہ بر تذکرہ حضرت کبیر	۶۹

اُردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیائے کرام کا کام

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو، جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے۔ وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت۔ وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اس کا شیوہ درگزر کرنا ہے۔ وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ

کرتا ہے۔ وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے۔

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔ وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے۔ اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیادار ہوتا ہے مگر وہ علما کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے، وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں، جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے۔ مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی۔ اس میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور صحیح بھی ہے، جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا۔ کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا "اگر در ہوا پری مگسی، اگر بر دریا روی خسی، اگر

دل بدست آری کسی" پیراستاد ہری کا ایک قول منقول ہی "نماز گزاردن کار بیوہ زناں است، روزہ داشتن صرفۂ ناں است۔ حج کردن کار بیکاراں است، دلے دریاب کہ کار آنست"(۱)

یہی وجہ ہی کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہوسکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہی اور فقیر کا دربار عام ہی جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہی۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہی اور اس لئے ان کا اثر محدود ہوتا ہی اور ان کا بے پایاں۔ اور یہی سبب ہی کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہوجاتا تھا کہ بڑے بڑے جبار اور باجبروت بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

مسلمان درویش ہندوستان میں پُرخطر اور دشوار گزار رستوں، سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طی کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی۔ جہاں کی آب و ہوا، رسم و رواج، صورت شکل، آداب و اطوار، لباس، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو۔ لیکن حال یہ ہی کہ انھیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح و شام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک "شریف" اور

---

(۱) قلمی نسخہ سرور الصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب گنج۔

"مقدس" کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں - یہ کیا بات تھی ؟ بات یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امرا و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علما و حکما کے پاس -

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے پہلے ہمزبانی لازم ہے - ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے - درویش کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا - بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے - عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی - خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے - اس لیے تلقین کے لیے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں - چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے - یہ بڑا گر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے - ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح الکھروتی (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ) کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے - وہ یہ ہے -

"و توہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی تکلم نہ کردہ، زیراکہ جملہ اولیا اللہ در ملک عرب مخصوص نبودہ - بس بہر ملک کہ بودہ زبان آں ملک را بکار بردہ اند - وگماں نہ نکند کہ ہیچ اولیا اللہ بہ زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیراکہ اول از جمیع اولیا اللہ قطب الاقطاب خواجہ بزرگ معین الحق والملۃ والدین قدس اللہ سرہ بدین زبان سخن فرمودہ، بعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر قدس اللہ سرہ و حضرت

خواجہ گنج شکر در زبان ہندی و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم مشہور اند۔ اشعار از دوہرہ وسورۃ ۔ ۔ ۔ و امثال آں نظم نمودہ۔ ہمچناں ہر یکے از اولیا بدیں لسان تکلم می فرمودند تاکہ عہد خلافت ایشاں با محقق مدقق[1] رسید وو ے دریں زباں بسیارے از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف فرمودہ ویکے از مصنفات وے اکھروتی است "

افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا کوئی معتبر قول ہندی زبان میں نہیں ملا، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم ان کے معتقد نہیں۔ ہندالولی" کی ترکیب اور "غریب نواز" کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کے متعدد مقولے ملتے ہیں۔ مولانا سیّد مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید و مصاحب خاص تھے۔ انھیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیض صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنی تالیف سیر الاولیا[2] میں حضرت کے اقوال وحالات جو اپنے کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کر کے لکھے ہیں۔

شیخ فریدالدین شکر گنج

اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو ہندی قول بھی آگئے ہیں وہ ہم عبارت متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

---

(۱)۔ اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ ہیں۔

(۲)۔ مرتب کردہ وشایع کردہ چرنجی لال مطبوعہ مطبع مجیب ہند دہلی۔

منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد مادرِ مومناں[۱] کہ خادمہ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہا، بود، مصلیٰ و عصاے شیخ جمال الدین کہ از شیخ شیوخ العالم یافتہ بود، مولانا برہان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین کہ پدر شیخ قطب الدین منور بود، در عالم صغر بود، بخدمت شیخ شیوخ العالم[۲] بُرد۔ شیخ شیوخ العالم[۲] بہ مرحمت مولانا برہان الدین مذکور تعظیم و تکریم نمود و بہ شرف ارادت و بیعت خود مشرف گردانید۔ چند روز بر خود داشت و بوقت مراجعت خلافت نامہ و آں مصلیٰ و عصا با نعمتے کہ مولانا شیخ جمال الدین رواں کردہ بود، بہ مولانا برہان الدین صوفی بخشید و فرمود چنانچہ جمال الدین از جہت ما مجاز بود تو ہم مجازی و ایں ہم فرمود باید کہ چندگاہے در صحبت نظام الدین باشی یعنی سلطان المشائخ درین محل مادرِ مومناں بخدمت شیخ شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان ہندی کہ " خوجا بالا ہی یعنے خورد است ایں بارگراں را طاقت نتواند آورد۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز فرمود بزبان ہندی " پونوں کا چاند بھی بالا ہی " یعنے شب ماہ چہار دہم در اول شب

---

(۱) شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیب حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ محض ان کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے۔ شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے عرائض حضرت شیخ شکر گنج کے پاس لے جایا کرتی تھی۔ حضرت گنج شکر انھیں " مادر مومنان " فرماتے تھے۔ اسی وقت سے یہ لقب ان کا پڑ گیا۔

(۲) حضرت شیخ شکر گنج قدس سرالعزیز سے مراد ہے۔

خوردمی باشد کہ بتدریج بہ کمال می رسد۔"(۱)
اس کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور واقعہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

شیخ علی صابر ساکن قصبہ ڈیگری ایک بزرگ درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازت بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولت خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کر کے وداع فرمارہے تھے اور مخصوص وصیتیں کر رہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے، اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا" اے صابر برو بھوکھا خواہی کرد" یعنی ترا عیش خوش خواہد گزشت"(۲)۔

جمعات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا ہے۔

اسا کیری یہی سوریت   جاؤں نائے کہ جاؤں مسیت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی:۔

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے

---

(۱) سیر الاولیا صفحہ ۱۸۲۔ (۲) سیر الاولیا صفحہ ۱۸۵۔

بو کر واں"(۱) سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لاتے"(۲) سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوشہ گری میں گر خدا ملتا
گوش چویاں (ہکذا) کوئی نہ واصل تھا
عشق کا رموز نیارا ہے   جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوئے محمد شمیم صاحب ڈسنوی بہاری کا ایک خط مجھے وصول ہوا جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح ڈیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہو گئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید گنج شکر کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی :-

وقت سحر وقت مناجات ہے   خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس صبا دا کہ بگوید ترا   خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن(۳) تنہا چہ روی زیر زمیں   نیک عمل کن کہ رہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو   ضایع مکن عمر کہ ہیہات ہے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جھولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے ۔ نمونے کے طور پر دو شعر اس کے لکھتا ہوں :-

(سگن ذکر جلی)
جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں
اُٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں

---

(۱) بکرے ۔ (۲) لگانے ۔ (۳) اصل مسودے میں کاتب نے 'باتن' کو 'باطن' اور 'زیر' کو 'زبر' لکھ دیا ہے

پاک رکھ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آدتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں لازوال دولت کوں پاوتا ہے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء اور سنہ وفات ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء ہے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا۔

شیخ حمید الدین ناگوری | حضرت شیخ حمید الدین ناگوری ولادت سنہ ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳ء اور سنہ وفات (۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء) کا ایک واقعہ خود ان کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے۔

"شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری) فرمودند اگرچہ جدۂ شما سبب بیان می کند ولیکن ہمہ از کرامت است۔ وقتے پیش ایشاں می گزشتم خورد بودم وایشاں بر کھٹ بودند ہمیں کہ نزدیک ایشاں رفتم دست بگرفتند و بزبان ہندی گفتند می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی چگونہ، گفت از جد تو ہیچ کس بجز پیغمبرش بزرگ نیست"[1]۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی ہندی بول چال کا رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس لیے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے۔

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زبان جسے ہندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھ مدت قبل تک ہندی کہلاتی رہی ہے اور اب اردو کے نام سے موسوم ہے کس طرح ہمارے ملک میں اندر باہر چھائی ہوئی تھی۔

شیخ شرف الدین بو علی قلندر | حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (وفات

---

(۱) سرور الصدور (صفحہ ۲۲۰)

سنہ ۱۳۲۴ء ؁ھ ۷۲۴ بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں
جب علاؤالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کرکے تخت و تاج پر قابض ہوا تو
اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و
دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ
حضرت بوعلی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے
پھری رہی تو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ علاؤالدین نے چاہا کہ
اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو
اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد
حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سُن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے حضرت
نے فرمایا "تو کا کچھ سمجھ دا ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لیے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں
سمجھا۔

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ہجری ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و
علاؤالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا اس کی اس دوہے سے جو حضرت شیخ شرف الدین
بوعلی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خاں صاحب کے ارادہ سفر کے
موقع پر نکلا، کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدھی نہ ہوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو | سلطان الاولیا شیخ نظام الدین (ولادت سنہ ۶۳۴ھ ؁۱۲۳۶ء وفات سنہ ۷۲۵ھ ؁۱۳۲۵ء)

سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انھوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاہوں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ہوں اور اس معاملہ میں سختی سے بھی پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروانہ کی اور آخر ان جابر بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ آپ سماع کے بہت شایق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے۔ ہندستان کے اکثر اولیا اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاء الدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں۔ امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا۔ وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے۔ اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے۔ افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں۔ میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑیے سنوارے پکارا
نقد دل من گرفت و شکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔

ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے

چند شعر یہ ہیں۔

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو گا ہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف وروزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری تیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انملیاں اور کہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں (چراغ)

دس ناری ایک ہی نر
بستی یا ہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان تاریخ فرشتہ میں منقول ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج وفات سنہ ۷۵۸ھ جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے بعد وفات سلطان اولیا بنگالہ سے دہلی آئے اور حضرت چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ

بنگالہ جاؤ۔ انھوں نے کہا وہاں پہلے سے شیخ علاؤالدین تل موجود ہیں اور مرجع خلائق ہیں۔ وہاں میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے فرمایا "تم اوپر وہ تل"۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہیں ولادت سنہ ۶۶۲ھ ۱۲۶۳ء وفات سنہ ۷۸۲ھ ۱۳۸۰ء منیر بہار کا ایک قصبہ ہے اور اسی سے منسوب ہیں۔ پوربی اور ہندی بھاشا کے شاعر تھے۔ اب تک ان کے بتائے ہوئے منتر سانپ بچھو اور سایہ کے اتارنے اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لیے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں ان کی دُہائی ہوتی ہے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے ایک کج مندرہ نقل کیا ہے۔ میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا سانپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم کی عبارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دُہائی ہے۔ ان منتروں اور کج مندروں سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے البتہ اس میں دو دوہرے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

کالا ھنسا نہ ملا بسے سمندر تیر
پنکھ پسارے یکہ ہرے ترمل کرے سریر

درد رہے نہ پیڑ

شرف حرف مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہو جائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیا کا فیض ہندستان میں دور دور پہنچا ہے۔ حضرت شاہ بُرہان الدین (وفات

سنہ ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) جو برہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفا میں سے ہیں۔ جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندستان کا دارالسلطنت بنایا اور ساری دلی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطان جی کے بہت سے خلفا اور مرید دولت آباد آئے۔ دکن کی خلافت شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتخب الدین کو عطا ہوئی۔ یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت سید علاؤ الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میری پیرزادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں ان کی خدمت میں سرگرم رہنا" اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا فرید شکر گنج کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بیوی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ایک بار جو آپ حسب معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھ کر متبسم ہوئے۔ بیوی عائشہ نے یہ زبان ملتانی فرمایا۔

"اے برہان الدین! ساڈی دھیہ کہ کہیا ہنسدا ہے" یعنی اے برہان الدین! تو ہماری لڑکی کو دیکھ کر کیوں ہنستا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت گیسو دراز بندہ نواز

سلطان جی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعہ سے بھی پہنچا ہے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیر الدین

چراغ دہلی تھے۔ سلطان جی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش "گنج معانی" کہا کرتے تھے انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدہلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ہجری) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور رہیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب سنہ ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء میں گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دکن روانہ ہوئے تو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بہت سے مرید ان کے ہمراہ ہو لیے اور اس قافلے کے ساتھ سنہ ۸۱۵ ہجری میں حوالی رحسن آباد گلبرگہ میں فایز ہوئے۔ وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروزآباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امرائے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشیں ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سرزمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لیے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی زبان یعنی قدیم اردو میں ہیں، اس خاندان کے کسی معتقد نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کیے ہیں۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپسیں اپیں دیکھاونے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے، یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں - یہ بھی مشہور ہی کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقیں کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے - ان کا ایک رسالہ "معراج العاشقین" میں مرتب کرکے شایع کرچکا ہوں - اس کا سنہ کتابت سنہ ۹۰۶ ہجری ہی - اس کی زبان کا نمونہ یہ ہی -

"اے عزیز! اللہ بندہ بنا یہاں پچھان کو
جاتا، نیں تو شرع جاتا ہی - اول اپنی
پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا"۔

"انسان کے بوجنے کوں پانچ تن - ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں - پیلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی - نفس اس کا امارہ یعنے واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو حرص کے کان موں غیر نہ سننا سو حسد نک سوں بد بوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو - پیر طبیب کامل ہونا، نبض پچھان کوں دوا دینا"۔

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان میں ہیں، 'تلاوت الوجود'، 'در الاسرار'، 'شکارنامہ'، 'تمثیل نامہ'، ہشت مسایل وغیرہ اگرچہ زبان ان کی قدیم ہی لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہی کہ انھیں کی تصنیف ہیں یا ان سے منسوب ہیں - بیاض مکتوبہ ۱۰۶۸ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہی جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا

کہ انھیں کی ہے - البتہ مقطع میں تخلص انھیں کا ہے - وہ یہ ہے -

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سار توں
ہووے نرم نہ تجھ اور چڑے پس کہائیگا آزار توں
سخت پچ گھوڑا ازور ہے خود خیال اس کا ہور ہے
تن لوٹنے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بد ٹھار توں
گھوڑے کوں بھیتر گھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہور ہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کر دسکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارا کھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگ معرفت اختیار توں
دو ہے رکاباں نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھ ہو پڑے گا دیکھ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آئے گا تجھ لامکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خُد مار لے تروار توں
شہباز حسینی کھوئے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
اللہ آپے یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندوستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے۔

حضرت قطب عالم وحضرتِ شاہ عالم

سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید ناصر الدین ابن سیدالاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء میں وفات پا گئے۔ دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ سیّد راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ہوئے۔ دو سال بعد سنہ ۸۰۲ھ/۱۴۰۰ء میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آگئے۔ سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آگئے۔ بعدازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا۔ اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہی کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لیے اُٹھے، صحن میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی اس سے ٹھوکر لگی، پانو میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا "لوہا ہی کہ لکڑی ہی کہ پتھر ہی"[1]

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہی کہ جب آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈھ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوئے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی محمود خوش ہوا ساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا ساں ڈے گھر جلال جہانیاں آیا"[2]

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرۂ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں

---

(۱)۔ تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷

(۲)۔ تحفۃ الکرام صفحہ ۱۸

اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں۔

"محمد پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھائے"

(جمعات شاہیہ)۔

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک کتاب میں جمع کیے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے۔ اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں۔ان میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں۔ایک موقع پر فرمایا۔

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است اما موافق عربی است

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھ دیوانگی سی سوار تھی جو کوئی کچھ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا۔کسی سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کسی سے کچھ کسی سے کچھ۔ فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ بات میرے دل میں ڈالی۔

"اے بے چھوکرا بے ادبی بگزار و گستاخی مکن"۔

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا ہے کہ سقایہ میں خدا کا نام نہیں لینا چاہیے میں نے آہستہ سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اترتا گھوڑا بچارا کیا کرے۔

ایتو بدو بر بھو یا گیں اکھارے
ہوں لاج مروں بیگ نیارو نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھرٹہل میں سوار جارہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی ہم رکاب تھے۔ سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور سلام آداب کچھ نہ کیا۔ میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے ہندی زبان میں ارشاد کیا۔

"ارجن جی کا او نہ بھایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں تیں کنّاسی کرے" (۱)

ایک روز سید محمد راجو قتال کے مناقب کا ذکر آیا۔ یہ سید الاقطاب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے۔ ان کی والدہ کا نام جنت خاتون تھا۔ حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان اُچہ میں فرمایا۔

"تُساں راجے۔ اساں خواجے"

یعنے

تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری

حضرت سید محمد جونپوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرف گزرے ہیں۔ ان کے مرید اور پیرو انھیں "مہدی آخر الزماں" مانتے ہیں۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے

---

(۱)۔ تحفۃ الکرام صفحہ ۱۴۱۔

چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ باوجود علم و فضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے۔

(۱) شیخ احمد کھٹو[1] کی نسبت آپ نے فرمایا "رو پیٹنے خدا کوں پونچے"۔ (یعنی بہ گریہ و زاری خدا رسید) (از تاریخ سلیمانی جلد اول)۔

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا "شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ"

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا۔

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار

ہوں سرجن سہرا ساجن مجھ گل ہار

(از شواہد الولایت)

(۴) رحلت سے کچھ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا۔

ہیر وتت پکھال توں کان پر دھوے مدھوے

اوجھل ہو ویں نچھوت سی سکھ نندری نا سوے

یہی دوہرہ بیدر میں قاضی علاؤالدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا (شواہد الولایت)

---

(۱) - احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں۔ سنہ ۸۰۲ ہجری میں بعہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آئے سنہ ۸۴۹ ہجری میں انتقال فرمایا۔ موضع کھٹو میں مدفون ہیں (تحفۃ الکرام صفحہ ۲۲۔ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰)

ل (ہراتت)

(۵)-(۶) ذیل کے دو دوہرے مجھے اسرار عشق تصنیف مومن (۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۰ء) کے ایک قدیم نسخے میں ملے ہیں جس کے سرورق یہ عبارت درج ہے -

"ایں کتاب مسمی با اسرار عشق محض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد مہدی موعود است وسوائے ایں حرف نیست۔ نقل اینست کہ مہدی علیہ السلام فرمود" تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت کا صفت کرنے بیچ ہوا۔ ہمارے ملانے دو گوجری دھیان میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کیے"

دوہرہ

چندر کہے تراس (۱) کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بھیٹے دشت پاپ چھڑ جائے

دوہرہ دیگر

تو روپ دیکھ جگ موہیا چند تراین (۲) بھان
انھیں روپ پہن ہوں کو وہی نہ ہوئے آن

ایں تمام کتاب شرح و تفسیر ہمیں دو دوہرہا است"

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۷ھ / ۱۴۴۳ء اور وفات ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء میں بہ مقام فراح (بلوچستان) واقع ہوئی وہیں مدفون ہوئے۔

شیخ بہار الدین باجن

شیخ بہار الدین باجن (ولادت سنہ ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء وفات سنہ ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء) برہان پور کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی ایک کتاب "خزانۂ رحمت" ہے جس میں اپنے مرشد

---

(۱)، (۲) (نسخہ) تراہن

کے ملفوظات اور ارشادات جمع کیے ہیں۔ بقول صاحب تاریخ برہان پور "اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے"۔۔ ... از آنجملہ یہ ہی پردۂ پوربی میں۔

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھکے   رباب رنگ میں جھکے
صوفی ان پر ٹھکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں۔ ان میں دو ایک یہاں نقل کیے جاتے ہیں

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے   جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلائے   آں چھو ہری بہتی کمائے
آں رو کر بہت رلائے۔
یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے   جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
یا جن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا
روزے دھر دھر نماز گزاری دینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگیں مکھ میں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوہی

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ولادت سنہ ۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء وفات ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ وہ ہندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ اُن کی ایک تصنیف "رُشد نامہ" ہے جس میں تصوف اور وحدت

وجود کے نکات بیان کیے ہیں۔ اس میں جگہ جگہ ہندی دوہرے اپنی تصنیف کے لکھے ہیں اس میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں۔

یہ جگ ناہیں باج پی بوجھ برہم گیان — سو پانی سو بلبلا سوئی سر در جان
ایکی او ہو ایکی ماس ایکی سرور ایکی ہانس — گرنگھ بوجھ برہم گیان تیں ترلوک ایک کے جان

دھن کارن پی آپ سنوارا — بن دھن سکھی کنت رکھنا را
شہ کھیلے دھن ماںہیں ایوان — باس پھول مہنن اچھے جیوان
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ میتا — مجھ کارن تیں اتیا کیستا
الکھ داس آکھے سن ہوئی — سوئی پاک ارتہ بہن ہوئی

جدھر دیکھوں ہی سکھی دیکھوں ہور نکوئے — دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپہیں سوئے

ایک شعر ریختہ کے نام سے بھی لکھا ہے۔

صدق رہبر صبر توشہ دشت منزل دل رفیق
ست نگری دھرم راجا جوگ مارگ

(دوسرے مصرع کا مطلب۔ صدق وراستی شہر ہے، اچھے کام حاکم، زہد وتقویٰ ترکِ دنیا راستہ ہے۔)

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے، شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن کے تھے مگر فیض روحانی انھیں شاہ محمد غوث ہی سے حاصل ہوا۔ مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے)

کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقایق سکھایا اور باوجودیکہ انھوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کیے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہ ہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہوگئی۔

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ہندی قول سید ہاشم کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا۔ ان کے بعض اور اقوال اور ہندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ہیں۔

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء میں آگرے میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی۔

شیخ وجیہ الدین احمد علوی

شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہٗ بہت بڑے عالم اور صاحب باطن ہوئے ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ سنہ ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء میں محمد آباد (چانپانیر) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء میں انتقال فرمایا آخر عمر میں احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے۔ اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الٰہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی۔ آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں جس کا نام بحر الحقایق ہے۔ اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں۔ شیخ کے مرید اُن سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی

میں تحریر کیے ہیں ۔ یہاں چند مقام نقل کیے جاتے ہیں۔

لفظ، فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق وشوق پاوے اسے ترک نہ دیوے" یعنی در آں چیز یکہ صوفی ذوق وشوق یابد آں را ترک نہ دہد۔ شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند؟ ازو اعراض نمودہ فرمودند "بھونڈا ہووے سونا کرے"

لفظ، عزیزے عرض کرد ۔ بخانہ دنیا داراں نروم فرمودند۔

"کاہے دنیا دار بھی اپنچ" یعنی اہل دنیا نیز از ما اند۔

لفظ، می فرمودند۔ طالب کشف نباید شد۔

"اپنوں کوں کیا کشف ہوئے یا نہوئے کام اس کا ہے"

در حکایت کردن فرمودند "کیا ہوا جو بھوکوں مؤا ۔ بھوکوں موتے تیں کیا خدا کوں انپڑیا، خدا کو انپڑنے کی استعداد ہور ہے"

لفظ، کسے از ریاضت عرض کرد، فرمودند "میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی ہے"

لفظ، فرمودند "جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے"۔

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین۔

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین اکبر وجہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں ۔ ہندوستان کے مختلف مقامات کی سیر وسیاحت کی ۔ موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے ۔ بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوئے ہیں ۔ پروفیسر شیرانی نے اُن کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاؤالدین ثانی سے نقل کیا ہے ۔ وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ہے ۔

ان نینن کا یہی بسیکھ
ہوں تجھ دیکھوں توں منھ دیکھ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ہے۔

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ نہم
ندی تیر درم بہاری بھیر پھرت سرمت ہوتیاں تیاری رم پم
رحم کیجے کرپا تھیں دیجے کا کہوں زاوری سم
تم کھوا[1]جہ کھدر[2] ؤے مہتر الیاس[3] دور پاس یا جگت اگم[3]

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی نصر اللہ کے بیٹے تھے۔ شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے آپ نے سنہ ۱۰۵۹ھ ۱۶۴۹ء میں انتقال فرمایا، آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیے ہیں جس کا نام انھوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے۔ اس میں جابجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال و ابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انھوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سن کر قلم بند کی ہیں، ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

نکتہ:۔

ہاشم جی چھولاں[4] لہر   پیویں وحدت کے بحر
ہو دیں متوالے سحر   دنی[5] جوں قاتل زہر

---

(۱)۔ خواجہ۔ (۲) خضر

(۳)۔ جو مل نہ سکے (۴)، موجیں۔ (۵) دنیا

سید شاہ ہاشم اپنے چچا زاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت وارادت حاضر ہوئے ۔ میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو آپ نے کہا میں تو خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں ۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے ۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو ۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے ۔

ہنس ہنس سپنے کہیا نا نہاں
دیوں تجی سب جے منج ما نہاں
میں بی نم نم (۱) سر کو لیتا
کیوں نہ لیو جو دیوے میتا
پانچ شغل لکھ آکھیں سائیں
جیوں رے کہوں ہوں چلن تو انہیں
شغل تکفینیا کہیا پیو
ننھا بڑا یک جانے جیو
جیھا لو ڑے آپس توں
تیھا لو ڑے ساروں توں
تن منہ اپنی صورت دیکھ
آپس تھیں کوئی جوا نلیکھ

(۱) ۔ جھکانا ۔

شغل الٰہی کی حد جان
پی بی بولو جیو نہ آن
پالو پی تن مت ابھرائے
ہاشم پی پیو یوں سمجھائے
تھی دو شنبہ کیری رات
شاہ عبداللہ آکھی بات

نکتہ :۔

اے دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے
گھیو شہد پر دوڑا تے گھوڑے
ڈوبتے بہت نکلتے تھوڑے

نکتہ :۔

نا منج زن نا منج فرزند
نا منج بھائی نا منج بند
ہاشمی پیو سوں سند(۱)

نکتہ :۔

پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بھوئیں وہ
ہاشمی جتھے مد مناتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

---

(۱)۔ ملنا۔

نکتہ :۔

اِنّما الاعمال با النّیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
نولاسیاں (۱) کھیلوں شہ کے سات

جکری :۔

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
بادر کوپ گھٹا کر آوے
تل (۲) دھارن کھیچی کھڑی کھجاوے
مور چکارے ہی بن ماتی
پسو پکی (۳) سب تیرے راتی
کئی کئی بھانتو بھاؤ دکھاتے
کہیو ہو چک مرے پیو
بھوت دنن کا الجا جیو
بیر بہوٹی رنگ رت (۴) میرے
بھور پیا گھر آؤ سویرے

---

(۱)۔ رنگ رلیاں۔

(۲)۔ ذرا

(۳)۔ پنچھی

(۴)۔ سرخ رنگ

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
نین ہمارے نس دن روے
میت بنا کہو کیوں جنم کھووے
ہاشم جی سک ہووے تب مکھ میتا جووے
کہیو ہو چک موسے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو

جکری :-

جاے کہو یک تل آئے پیا سسکتا جیو دھسکتا ہیا
لا الہٰ نفی الا اللہ اثبات محمد برحق بلا میم احمد ذات
جاے کہو ....
نفی کل ہوا مانوں تو کل اثبات ہووے جو
ہاشمی رخسار پھڑکتے علوی دھرکتا ہے جیو
اب آنے کی ہی بدھای پیو جاے کہو ....

نکتہ :-

یہی حجت ہی بس ہموں کوں
جس تھیں لھیا سب منہ توں توں
پیر باطن تھیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیا یا
ہوا یکایک آپ دکھایا

اتھیں راز پیا کا بوجھا
تن من منہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں مانہاں
ایک الف ہو آیا نانہاں
کرنا بھاؤ سو ٹھانھیں ٹھانہاں
نوں تھیں نور ظہور ہو آیا پنج حرفوں لٹکا لیایا
کرکر لٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر بہت بڑا تھا وہ سب ہندی جانتے تھے۔ چنانچہ اس بیان کی تصدیق میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو ان کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں پیش کی گئی ہیں۔ ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور بعض ایسی ہندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے اب میں ان بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں، لیکن ان کی تصانیف (اگر درحقیقت کچھ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اہل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا مستقل اور مسلسل کلام دستیاب ہو چکا ہے اور میرے پاس موجود ہے

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ

وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا۔ اگر کبھی ان کا ہندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حقیقت معلوم ہوگی۔ فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں بیاضوں میں یا جو لوگوں کی زبانوں پر ہے اس کے چند نمونے نقل کر دیے گئے ہیں خسرو کے فارسی کلام میں بھی ہندی الفاظ جابجا استعمال ہوئے ہیں جنھیں وہ بڑے سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اس طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمے کا پیوند لگایا ہے بعینہ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی کو ملایا ہے اور حضرت امیر کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ، اردو، یا ہندستان کے نام سے موسوم ہوئی۔

اُن کی جو چیزیں ہمیں زبانی پہنچی ہیں ان کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں۔ ہماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ہیں جو سینہ بسینہ ہم تک پہنچی ہیں یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو ان سے منسوب کر دی گئی ہیں لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی بھی کسر رہ گئی ہے تو ان کی چوری پکڑی گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع و ترکیب اور زبان کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں۔ یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے۔ تحریری کلام بھی تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ کیا سعدی کی گلستاں بالکل وہی ہے۔ جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی کا شاہنامہ بعینہ وہی ہے جس کے لیے اس نے تیس سال خون جگر کھایا تھا؟

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اُسے منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں جن کا سنہ وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء نکلتا ہے۔ آپ مکے میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں بعد ہندوستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال الدین کو شاہ جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے۔ حضرت گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے اور ان کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن ان کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ ان کے سلسلے میں اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ دہلی سے لائے تھے۔ کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ ایک شخص جو مکے میں پیدا ہوتا ہے ہند میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسی میں لکھتا پڑھتا اور اسی میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنے حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکے سے مدینہ شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال روضۂ مبارک کے قریب رہے۔ ایک روز شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہندوستان جانے کے لیے ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے ناواقف ہوں۔ آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد" اور یہی ہوا۔ ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے۔ اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت ہندوستان کی عام زبان یہی تھی اور دو آبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا۔ شاہ میراں جی بڑے بابرکت بزرگ تھے انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے

صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہؤا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کر دیا ہے۔ وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میراں جی کے کئی رسالے ہیں اس قلمی مجموعے کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ان کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں۔

اس کمالیت کا سنگ — اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال — تو ہوئے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے — پگ دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم ان کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے۔ بحر صاف اور ہندی ہے۔ حمد میں کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم تو سبحان
یہ سب عالم تیرا — رزاق سبھوں کیرا

تجھ بن اور نکوئے تا خالق دو جا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاؤں اور تیرا نام لیوں
تجھ نرتا کون جانے اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار کس موکھوں کروں اچار[1]
جو تیرا امر جانے اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ہیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ہیں۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں، ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی، ان کے لیے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔ ظاہر پر نہ جانا چاہیے باطن کو دیکھنا چاہیے زبان کوئی بھی ہو معنوں پر خیال کرنا چاہیے۔ جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو۔ وہ اسے گھر بھاگا کہتے ہیں یعنی وہ زبان جو گھورے پر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اس کی کیا قدر و منزلت تھی لیکن ساتھ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ لو کہ گھورے پر بارش ہوئی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا۔ یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے، کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سمجھ کر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب اس ارتوں کے سبب

---

(۱)۔ بیان۔

یہ بھاکا بھلسو بولی پن اس کا بھاوت کھولی
یو گُر نکہ پند پایا تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول پن معنی ہے نپتول
کڑوے پن سورس پھل پا کے جوں پھنس
نا دیکھت بورا لیکھو لے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاکے تو کیوں من اس تھے بھاگے
تیوں اس میں ارت نیج سب قرآن کرے نیج
وہ مغز معنے لیو سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا[1] اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ہان وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان ستا لیوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماٹی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بھاوے جوڑ نا جاسی یہ گُن چھوڑ
ہے کرڑواں کیرا ہیرا گھور اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجان بھاگون پاوے تو کیوں نالیہ اجاوے
گھر بھاکا چھوڑ دیجے چن معنی مانگ[2] لیجے

---

(۱) کھار۔ (۲) موتی۔

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اس نام ہے تحقیق — سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا — جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ہیروں کیری کھان — ناموں تیوں کیری وان
جے غواص بوڑہ سیوے — تو سالم سودھا لیوے
جے ہوئے گا مچھارا — کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کیے ہیں اور یہ سب سوال جواب کے طرز میں ہیں۔ سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر دوہے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کرکے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دُنیا اس کی سسرال ہے اور عالمِ آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہنا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لیے یہ نظم لکھی ہے۔ اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے

اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہی۔

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ہلدوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہاوا
اب کیوں سر سہاوے دوجا تم کو ناہیں ٹھاوا
اُس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اُس کی باسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ کی آنی
ایسی باتیں کرے گنونتی مورکھ بوجھیں سُدھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوہی سکھاویں بودھ

جب لوگ اُسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہی کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہی اور ہمیں دنیا اور اُس کے عیش وآرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آکھیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ہم اچھیں سوکھ سنسارا نا ہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سے جے ہی راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
بن باپ سٹ دیجے اب شہ سوں میلا ہوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے بُرے پیر کا امتیاز بیان کیا ہی

پیر وہی جو پریم لگاوے نور نشانی عین
منزہ کی سُدہ لکھاوے جہاں دیس نہ رین

جس مارگ تھیں جیو سنچرے[1] سوہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کا ہین بچپار
کریں جھیں وہ تیرت پٹن یوگ ابھا سین دھیان
پانچو چیز ریا سوں راکھیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتہ دکھاویں کریں اچنبا جب
ذاکر ہو من دم چلاویں یہ بھی دھیان الب[2]
لونجیت موندت پھریں پھوکٹ ترت کریں یاجج
تھان دیکھ جسے دیویں مان وہ بھی مورکھ نلج

جن کو شہوت کیرا ہاوا اُن کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطیں وے تو ناآویں گے حق دھیر
سُوّر کے گل باندھیا مُشک وہ کیا اس کو جانے
اُس کے تائیں سُر جیا وہ سوہی پچھان مانے
یا گدھڑے[3] پر قرآن لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ موکر اپنا کھول
غرض اس طرح پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا ہی۔ آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی ہی کہ میرے حال پر توجہ کیجیے مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں، میں تو تھارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہی۔ وہ خدا کی حمد کرتی ہی اور اُس سے مناجات

---

(۱) چلے۔ (۲) تھوڑا۔ (۳) گدھا۔

کرتی ہے۔

منج نالوڑے الواں نعمت پھوپ بریل[1] پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان
نا منج لوڑے پاٹ پٹنبر نہ زر زری سنگار
چھاٹی ٹوٹی کنبلی نیکی کلمہ جین ہار
نا منج لوڑے پلنگ نہالی صوفے ماڑی باغ
حسرت راکھ جیونا مرنا یہ تو کسمل[2] داغ
جے نہ سمایا دھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو ڈالے کبھو نہ پایا ذوق

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سب کی جان سجان تو نہیں دے یے جے جسکے من
ایکس ماٹی مولی دیوے ایکس ماٹی باج
کیتوں بھیک منگاوے کیتوں ریوے راج
کیتوں پاٹ پتمبر دیتا کیتوں سر کی لایا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا
کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے مورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار

---

(۱) خوشبو۔ (۲) ناپاک، ذلیل۔

ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر ماٹی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا
آسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا
تجھتے ہی قدرت کوں زور، تجھتے نور نورانا
تجھتے سب کا سبھی پنا تج بن سب ہیں بیگانا
تج بن کوئی نہ مار جوائے، تج بن کوئی نہ آس پوراوے
عالم اوپر بایا بہنا، کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اچاونے، دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بیکاری تخت بٹھاوے، راجے راکھی گرد ملاوے
فہندیا نکو کرے دیوانے، سوگھیا نکو لیہ دوکھ میں بہانے
کر کر بندگی جرم گنواوے، پھر پڑ تیج عجب کیا رانے
میں اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں
جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں تونہی تہاں تہاں
اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈرو نکو کہاں لگ ڈروں
ہمیں غریب نپائے تیرے، آس تھے آسا دھروں
ماتا جے بالک تھے روسی جانا انھیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی میراں میں جاؤں تدھر

تو رحماں رحیماں میرا مہر محبت بھریا
میں تو باندی بردا تیری تیں مجھ ہاتوں دھریا

نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلگوں تھے فریاد
تیں بھی میرا لاڑ چلایا کبھو نہ ہوا اُداس
آپ سندیسا توڑ گسائیں تیری منجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہی اور ہاتف خوشخبری دیتا ہی، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں۔ خوشنودی کا یہ آخری وقت ہی اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہی، یہ نظم بڑی پر کیف اور دل گداز ہی اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ہی وہ بہت پُر اثر ہی۔

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ہی۔ خوش یا خوشی سوال کرتی ہی اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ اس کا نام بھی خوش نغز ہی۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے تو ابواب میں تقسیم کیا ہی جن میں عرفان و روح، مراقبہ، عقل و عشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہی۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں۔

سجے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سوں اوتا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہی۔ نمونے کے لیے دو شعر پیش کیے جاتے ہیں۔

خوش پوچھے کی کہو میراں جی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے
خوش کہے مج کہو میرانجی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آ کہوں بیان اس میں دھرنا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہی جو نثر میں ہی اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہی۔ اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ، طریقت حقیقت شریعت، وضو، دنیا، ترک دنیا، تجرید و تفرید، عشق، معشوق، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ہی۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہی کہ پہلے قرآن کی آیت ہی مگر وہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہیں۔ دو تین نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

"کل امر ذی بال لم یبدءُ بہ بسم اللہ فھو ابتر"

پیغمبر کہے جسے کچ کام کرے گا کوئی خدا کا ناؤں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوئے گا۔

"الحمد للہ رب العالمین"

سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ او پالنہار اہی عالم کا

"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا، کہیا ہی، اپس کوں پچھانے لوگاں کو ہور پرہیزگاراں کوں۔ "پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ہی، انو کیا توں رہ کرا تو تھے بوج، انو تھے توں سن ہور چُپ نکو اچہ۔ اس چار باتاں کا پند ہی۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھ کہ طریقت شریعت

منج ہی۔"

خدا کہیا "تحقیق مال اور پنگرٹے(۱) تمہارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہی جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھے تجھے بسرا کر"۔

شاہ میراں جی کا خاندان بھی عجب بابرکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑ پوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہی۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

شاہ برہان الدین جانم

شاہ برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن اُن کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہی اس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء بتایا ہی، اس سے یہ ظاہر ہی کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہی۔ میرے پاس اُن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہی۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میراں جی کے لگ بھگ ہی مگر اس سے کسی قدر صاف ہی اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہی۔ میں اس موقع پر اُن کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا، البتہ اُن کے کلام کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہو سکے۔

حمد میں:- سکتا، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کہیا یہدی من یشا

---

(۱)- اولاد، بال بچے

یہ روپ پرگٹ آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سوجھے پنت
(از وصیت الہادی)

اللہ، پاک منزہ ذات
اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار
سنتا دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات
اس کوں ناہیں کد ممات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات
جوں کہ چند نا چاند سنگات
(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام
عشق کے آنکھیں کیا ہے فہام
عشق لیا ہے سب پھر باس
عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھ
معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑیا بار
جو نکے بیج تھے نکلیا جھاڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول
شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار
بیج نپے کا ناہیں بھار
اکے بیجیں بیج اپار
بیج نپے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ مقیم
یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوئے
جیسا تیسا سمجھا ہوئے
(از منفعت الایمان)

گن آدم کا نہ ہاتھ چڑھے رہے کیوں کھتا انسان
صورت پرا اعتبار نہ راکھیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھے گمراہ کر یوں قران میں فرمان
اوکاں یہ مت کچ الادی [1] جن بوجہ بجھتوں لادھی
پنتہ اکاس کا ونگم [2] جانے جل کا مارگ مین [3]
سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین [4]
ایسا سادھو بھاگوں نہیں تو چرنا رہنا لین
لوکاں یہ مت کچ الادی جن بوجھ بجھتوں لادھی
(از سکھ سہیلا)

(۱) مجموعہ (۲) پرندہ (۳) قطعی (۴) پہچان

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوہے بھی لکھے ہیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ہے۔ ایک ایک مثال اس کی یہاں لکھی جاتی ہے۔

——— :خیال: ———

اب سندیسا مجھ ہے شہ کا — جب کب بھاگوں انتر ملے
پیر پیرم کے ہیرڑے میرے — نینوں مانہہ جوں لنگر ملے
نس دن جاگے برہ ماری — نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکیں میری آگ بلے کیوں — سپنے دیکھوں سو کھڑے
قول پیا تجھ آس لگی من — آس لگی تجھ پاس رہن
جب کا جھانساتیں مجہ لایا — یک تل نہ مجھے ساس رہیں
نہ کا پینا مجہ کوں لاگا — لوگ دیوانی دیکھ ہنسیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوئے — کہو سریجن کہاں بسیں

دہرا۔

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ہونا نور
جب لگ سپنا نہیں چھوڑیا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ہو نرال
یوں سب تن میں برتن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دونوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا ۔۔۔ آپیں الیک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا ۔۔۔ نیکی بدی کے دو مُدرے بھایا
کلمہ نبی کا پنتہ مارگ لایا ۔۔۔ تن کا کنٹھا کر سب چیلوں پنھایا
بندگی بھبوت کر نت اُٹھ لایا
یقین جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا ۔۔۔ لجیا کچھوٹی دے بندے پاسا
اس تن کے مٹھ میں راول کا باسا ۔۔۔ دھرتری پتر بھر بھوجن کیتا
با دل پھوڑ وا کر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً۔

بن عشق بُدھ کو سوج نہیں
اور بن بُدھ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

اُن کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا نثر میں ہی۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہی اور اس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر بیان کیے ہیں۔ شروع یوں کرتے ہیں۔

" اللہ کرے سو ہوئے کہ قادر توانا سوئے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنھار سہج سہج سو تیرا ٹھار و سہج ہوا بھی تو ج تھے بار۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا نہیں، دو چار شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے "۔

اس کے بعد سوال و جواب شروع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہی۔

سوال :۔ " یہ تن الاڈھا[1] دستا، ولیکن جیتا بکار[2] ٹوٹنے نہیں بلکہ ستنتر[3] بکار روپ دستا ہی، تک تل قرار نہیں، جیوں مرکٹ[4] روپ "۔

جواب :۔ " ای عارف ظاہر تن کے فعل سوں گزریا و باطن کرتب دستے۔ اس کا ناتوں سوں ممکن الوجود۔ دوسرا تن سو بھی کہ اس کا ایندرین کا بکار و چیشٹا[5] کرنھارا سو وہی تن، نہیں یو خاک مو سوکھ دوکھ بھوگن ہارا۔ جیتا بکار روپ وہی دوسرا تن، تو توں نظر کر دیکھ، یہ تن فہم سوں گزریا تو گُن اس کا کیوں رہے "۔

شاہ بُرہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں لکھنے کی معذرت کی ہی، اس سے ظاہر ہی کہ اُن کے زمانے میں

---

(۱)۔ علیحدہ۔ (۳)۔ قلب۔ ماہیت

(۲)۔ ترغیب، تغیر۔ (۴)۔ بندر۔ (۵)۔ حرکت

عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو۔ ہندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں۔ اگر سمندر کے موتی کسی ڈبرے یا جوہڑ میں ملیں تو عقلمند آدمی انھیں کیوں نہ لے۔ فرماتے ہیں۔

عیب نراکھیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکے موتی سمدر سات
ڈابر جے لاگیں ہات
کیوں نہ لیوے اس بھی کوئے
سہانا چتر جو کوئی ہوئے
ہیں سمند کے موتی یو
گیان رتن کے جوتی یو

....

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گرُ پرسادتھا منج گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء میں ہوئی (مادہ تاریخ ختم ولی ہی)۔ ان کے نظم و نثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہی، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہی مگر رنگ عاشقانہ ہی، قافیہ تو ایک ہی، مگر ردیف کہیں کہیں بدل دی ہی۔

قمرین نین تیرے ساحر ہوے ہمن کوں
گمراہ کر بلاوے قوس و قزح بھون کوں
پیچوں بھویاں زلف تج موجوں ڈبے بحر موں
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سر مانگ جو چھپی ہے
کا ہے کشاں[1] سماں پر محب بلاونے کوں
سیما عرش علامت کرسی مکٹ سہاوے
روشن شمع منور پروانے جالنے کوں

ایک دوسری نظم وجود یہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نفس کا دوڑنا ہی اس ٹھار
یو تو آہے نفس بچار
نفس کو لیا و تو دم کی جا گا
لائیں ذکر نہیں تو جاوے بھاگا

آپ نے دوہے بھی لکھے ہیں، ایک دوہے میں کہتے ہیں۔

مرنا ہار، جیونا بسار
جیونا ہار، مرنا بسار
سودہ سریجن کی دیکھ بچار
لال سریجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھ آپ گنواوے
من رانی حضرت قول بھواوے (وغیرہ)

---

(۱) کہکشاں۔

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دوہرے بہت کم ہیں۔

نبی پرگٹ ذات ظہور ہی
معشوق حق اللہ نور" علی نور ہی
حقیقت حقایق ذات کمال ہی
صورت معنی ذو الجلال ہی

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہی، باقی دکنی اردو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اُس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اوسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا تو اُسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔"

ان کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے متعدد رسالے ہیں۔

سیّد میراں حسینی شاہ اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔ از انجملہ ایک بزرگ سید میراں حسینی شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔ یہ حیدر آباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے

مصنف ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہی جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہی۔ اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیان جی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں، جو سنہ ۵۲۲ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کیے گئے۔ شاہ میراں حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا ہی اس سے ظاہر ہی کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہی۔ میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہی۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہی کیونکہ علاوہ چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہی اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہی۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہی۔

ای عزیزاں! ای بات نہیں سنیاں۔ بادشاہاں گھوڑا مستعد کیے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ کھوڑ اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنی پیر کے عشق میں پختا ہوئے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکہ نا سکسی۔ اگر عشق خالق نداری بارے عشق مخلوقے ہیاکن۔ اس کا معنا، خدا کی پچھانت کابل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر۔ سوا ے بات یوں ہی کہ آفتاب کا ذات نواز نہارا ہی اور اس کا اجالا جالنہارا ہی یعنے دوست سو نوازنہارا ہور خوبیاں دینہارا۔ ولے اس کا محبت اُسے دُگدانا ہی یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گالنا ہی اُس کے فراق میں۔"

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت یہاں ترک کیا جاتا ہی۔

(گجرات)

اب میں تھوڑی دیر کے لیے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ گجرات کا تعلق دہلی سے سلطان علاءالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۶ ہجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقے پر تسلط کرلیا اور اپنی طرف سے صوبیدار مقرر کر دیا۔ یہ صوبیدار سلطنت دہلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے یہاں تک کہ جب دہلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبیدار ظفرخاں کے بیٹے تاتارخاں نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کرلی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا سنہ ۸۰۶ھ ۱۴۰۳ء شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی۔ اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا۔ غرض دہلی کا اثر اس علاقہ پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا۔ اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف اُن چند صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

قاضی محمود دریائی بیرپوری ایک ان میں سے قاضی محمود دریائی ہیں جن کا شمار گجرات کے بڑے اولیاءاللہ میں ہے۔ ان کے والد قاضی حمید عرف شاہ جالندہ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان کے دادا قاضی محمد حضرت قطب العالم سے ارادت رکھتے تھے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور ولی تھے بعض تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ قاضی محمود حضرت سلطان شاہ جیو فرزند حضرت محمود خلف حضرت قطب العالم کے مرید تھے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ اپنے والد ہی کے

مرید اور خلیفہ تھے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قاضی محمود نے ایک شب یہ دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین یہ فرما رہے ہیں کہ تم مقام محبوبیت میں جو میرا درجہ ہے، پہنچ گئے ہو لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے والد سے بیعت و خلافت حاصل کر لو۔ صبح کو یہ واقعہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے، مجھے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ میری زندگی کے دن آخر ہو چکے ہیں۔ مرنے سے پہلے تمھیں مرید کروں گا۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل خرقۂ خلافت عطا فرمایا لیکن اس روایت کی ضرورت نہیں، اُن کے کلام کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے جس میں قاضی صاحب نے اپنے والد کے مرید ہونے کا اقرار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

چاؤں چلندھا پیر میں پایا
اُن محمود کوں میت ملایا
قاضی محمد تن شاہ چالندھا محمود کرا پیر
قاضی محمد تن پیر ہمارا چالندھا بھاگوں لھیارے
قاضی محمد تن پر ہمارا چالندھا مجھ پیار
پیر ہمارا چالندھا ہوں اُس بل جاؤں

اپنے والد کے وصال پر جو جکری لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں۔

قاضی محمد تن شاہ چالندھا پیر لاگوں پائے

اپنے کلام میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر اور اپنی ارادت کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہر جگہ اپنے والد کو قاضی محمد کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یا تو چالندہ کا لفظ لاتے ہیں جو ان کے والد کا لقب تھا یا صرف شاہ چالندھا لکھتے ہیں۔
تذکروں میں ان کی بہت سی کرامتیں بھی لکھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کسی کی کشتی

بھنور میں پھنس جاتی اور ڈوبنے کو ہوتی اور وہ قاضی صاحب کو یاد کرتا یا اُن کی دُہائی دیتا تو بھنور سے نکل کر ساحل مراد پر پہنچ جاتا۔ اسی وجہ سے اُن کا لقب "دریائی" پڑ گیا۔

ان کا وطن بیرپور تھا۔ عالم جوانی میں احمد آباد آ گئے تھے۔ اس کے بعد پھر سنہ ۹۲۰ھ میں بیرپور واپس چلے گئے۔ اور وہیں سنہ ۹۴۱ھ میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سماع کا بہت شوق تھا اور اس میں وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ان کا مشرب عشق و محبت تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ زبان ہندی ہے جس میں کہیں کہیں گجراتی اور فارسی عربی لفظ بھی آجاتے ہیں۔ کلام کا طرز بھی ہندی ہے۔ چونکہ موسیقی کا خاص ذوق تھا اس لیے ہر نظم کی ابتدا میں راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ سارا کلام عاشقانہ ہے لیکن کبھی کبھی اخلاقی نظمیں بھی کہی ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

نبی محمد کی دوستی راکھیں مکھ کا پانیں
محمود کیری بنتی صاحب اتنی مانیں

سیس نماؤں نیہہ اپاؤں اپنے پیر کروں جوہار
نینوں کاجل مکھ تنبولا ناک موتی گل ہار

(یعنے آنکھوں میں کاجل، منہ میں پان، ناک میں موتی، گلے میں ہار، اس سج دھج سے میں سر جھکاؤں، محبت کروں اور اپنے پیر کو آداب کروں)

بات من کی کس نہ سوجھے رہے
کوی مایلا مرم نہ بوجھے رے

دُکھ جیو کا کس کہوں اللہ دُکھ بھریا سب کوئی رے
ز دوکھی جگ میں کو نہیں میں پرتی بھر بھر جوئی رے

(یعنے اے اللہ میں اپنے جی کا دُکھ کس سے کہوں، سب کوئی دُکھ بھرے ہیں۔ میں نے دنیا جہان میں پھر پھر کے دیکھا، کوئی ایسا نہ ملا جو دکھی نہ ہو۔)

جا ری پھوڑ سنورینی کیسی　　اک تل آنکھ نہ لائی

(جلے پھوڑ دور ہو، یہ تو کس لیے بنی سنوری ہی جبکہ تو نے ایک لمحے کے لیے کسی سے آنکھ نہیں لگائی یعنے عاشق نہ ہوئی)

آج سریجن گھر آیا　　کیوں نہ کروں مہمانی

پانچوں وقت نماز گزاروں دائم پڑھوں قرآن
کھاؤ حلال بولو مکھ ساچا راکھو درست ایمان
چھوڑ جنجال جھوٹی سب مایا جی من ہووے گیان
کلمہ شہادت مکھ بنسارو جس تھے چھوٹو ندھان
دین دُنی کی نعمت پاؤ جو جنت راکھو ٹھا ؤں
محمود مکھ تھیں تل نہ بسارے اپنے دھنی کا ناؤں

شاہ علی محمد جیو گام دھنی　شاہ علی محمد جیو گام دھنی کا مولد و منشا گجرات ہی۔ آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۹۷۳ ہجری میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہی آپ کے داداکے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہی۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہی۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے

شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہؤا ہی اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہؤا معلوم ہوتا ہی۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہی اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی شعرا کا سا ہی اور عورت کی طرف سے خطاب ہی۔ زبان سادہ ہی لیکن چونکہ پرانی ہی اور غیر مانوس الفاظ استعمال کیے گئے اس لیے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہی۔ چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا ہور جیوں پر تھو سائیں ایسا
سوے تمھیں ہو ناں وہ ایسا

ایک سمند سات کہاوے
دھو توس، بادل، میہ برساوے
وہی سمند ہو بوند وکھالے
ندیاں نالے ہو کر چالے

پیو ملا گل لاگ رہی جے
سُکھ منہ[1] دُکھ کی بات نہ کیجے

جے ہی سو ہی نہیں نہیں
چھٹ ایک وہی ہی سہو کہیں

---

(۱) - میں

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے
کہیں سو لیلیٰ ہوے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہو کر آوے

ادھر[1] پنوائی[2] چکت[3] رتنالی[4]
بینی باسک[5] ہور تل کالی
ایہہ جیو مانگیں بہویں دنالی[6]

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپیں آپس لے گل لاؤں

بھیس بندوں کے کر سو بندگی اوٹھا[7] ہو ہو نماز گزاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آ ہوں آپیں آپس اوپر واروں

کبھیں سو ہوئے اندھیاری راتا
سانج بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیورا راتیں ساری
لا کر جوت دکھاوے ساری

---

(۱) ہونٹ (۲) پان کھائے ہوئے (۳) آنکھ (۴) سرخ (۵) سانپ (۶) دنبالہ دار
(۷) اُٹھ اُٹھ کر۔

کہیں سو عاشق ہو کر راؤں کہیں عارف ہوئے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

جو جیوڑا پیو سوں لاگا ہیئے جس نیہ کی آگا
تنھوں کا لوجہ سب بھاگا

جنھوں من پرم کا بھٹکا تلیں تل نیہ کا کھٹکا
سو جانے مرم کا لٹکا

خوب محمد چشتی ایک اور بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد (گجرات) کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے، صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۴۶ھ ۱۵۳۹ء میں اور وفات سنہ ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء میں ہوئی۔ "خموش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں۔ ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنایع بدایع کلام میں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "گفتہ صنایع بدایع را زبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بحضرت صانع وبدیع چنانست کہ مقبول گرداند۔ دوہرہ:۔

حمد خدا کی خوب کر کہ صلوٰۃ رسول
پچھیں صنعت شعر کی کہے تو ہوئے قبول

اتا بعد ایں رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است دربیان

تلونات کلام وانواع مفہومات نظام۔

دوہرہ :۔

بھاؤ بھید اس نا نوکر بات بکٹ سمجھائن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو تجھ آپ آن

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے، مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صنعت متضاد، آنست کہ الفاظ چند ضد یدیگر باشند، مثال

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ ماہ
بھلا بُرا ہو ثمر یا دیکھو سبل بھیل اس ٹھانہ

عقدہ :۔ تبن بائیں دی رج بسلائے بادبھر کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال

صنعت تفریق تنہا آنست کہ میانِ دو چیز جدائی افگند، مثال

میں خوب تفریق تنہا پچھان
جدائی دو ہول ماہ اس بھانت آن
کنول مکہ جل بن جدائی ایک بات
کنول دیس بھول سے نیں یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ہے جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتا دیا ہے "چودہ گھاٹ اوس برس ہزار" یعنے نو سو چھیاسی ۹۸۶ ہجری۔ خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے۔ شاہ علی محمد جیو کی کتاب "جواہر اسرار اللہ" اس سے مختلف ہے۔ اس میں

عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے۔ خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ہے۔ میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں۔ انھوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں "امواج خوبی" کے نام سے لکھی ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :-

حمد و نعت

بسم اللہ کہوں چھٹ ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
ناتو محمد تس کو دیت
اس تفصیل سو عالم کیت
اسی روح ارواح تمام
اسی جوثں[1] کے سب اجسام

جوں کھلھلیا سمند چھپائے
جانے سب دریا ے جائے

---

(۱) جُثّہ۔

نوک نھیں دریا بن پار
بھرے تو نو کج کی مقدار
جیوں ظاہر بھنتیاں کہلائیں
پن اینٹاں اس بھانت دکھائیں
ذرے مسل اک ٹولا[1] ٹھانہ
ناؤں دھریا ہے اینٹ سوتانہ
جوہر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وہم کرے نہیں دوئے
ڈاؤا[2] جمنا[3] جسے نہ ہوے

بابا شاہ حسینی

بابا شاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ہوئے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

شاہ علی جیو جگ پرور تم ہو میرے لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کوجھال

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے۔

اُس صاحب ثنا سوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عبد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

---

(۱) مجموعہ (۲) بائیں۔ (۳) دائیں۔

غزل

روبرو ہی شہر در سن بے نقاب
دیک نا سک بولتے ہیں درحجاب
تس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دید کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نیں ہی حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہی عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل تر از آب ریا ظاہر منے
بھر استنجا رہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہی حسینی بر عباد
دل سیں کرتا ہی اپس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہی۔ بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اس کے بعد یہ زبان عام ہوگئی تھی اور اُس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہوگئے تھے۔

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلے میں ایک بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں

کہ دلّی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہوگئیں۔ دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ شاہ میراں جی اور شاہ برہان نے ہندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے نظمیں تحریر فرمائی ہیں اُسے ہندی سے موسوم فرماتے ہیں۔ یہاں ہندی کا لفظ فارسی کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے۔ عام طور پر ہر دیسی زبان ہندی کہی جاتی تھی۔ یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی، چنانچہ میر تقی، میر حسن یہاں تک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میرانجی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان گجری یا گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں:۔

"سبب" یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق"

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں:۔

جے ہو وین گیان بچاری ۔ نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام ۔ کیا بولوں سو ہے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ہیں:۔

یہ سب گجری زباں ۔ کر یہ آئینہ دیا نماں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہر الاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے

دیباچہ میں لکھتے ہیں " بہ لسان دُرر بار و جوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک خود فرمودند"۔ شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں :-

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

" جیوں میری بولی منہ بات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روزمرہ کی بول چال ہے۔ اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے " ہر یک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند و میکنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام"۔ یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے۔ اس آمیزش کا نام ریختہ ہے۔

" بھاؤ بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں " صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یادداشت می گویم"۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے۔

شاہ برہان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ہندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ہندی عام ہے یعنے وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی ہندی ہی کے نام سے موسوم تھی۔ گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اس کے قرب و جوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہو گئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں کنی

کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہی کہ اُن میں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہی

اگرچہ میراں جی شاہ اور برہان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا قاضی محمود دریائی شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہی۔ وہ لوگ پھر بھی گجرات سے دُور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لیے ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوئے ہیں جو بیجاپوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) ڈوسی (ڈوشی) بمعنی بڑھیا، ادنڈا، گہرا، چھولی، چھوٹی موج، ہسب یا ہبیں (ہوئے)، جما، دایاں، پپوٹے (فوفوٹے) جاب وغیرہ، محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا۔

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کیے ہیں۔ یہ سب صوفیا کے کلام میں سے انتخاب کیے گئے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی میں ہیں۔ اُن میں شاذونادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہی۔ خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے اور خیال وغیرہ اُسی زبان میں کہتے تھے۔ لیکن اُن میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ جب انھیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لیے نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی

اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں ۔ اس رواداری سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کی ہدایت عام اور وسیع ہو۔ جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور اُن کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے انھوں نے اُن کی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا۔ اُن کی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں، طرز بھی نظموں کا ہندی ہی یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیومالا کی تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں ۔

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا نہیں کرتے۔ اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور فکر کو فکیر) ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا اُن کے ہاں کوئی بات نہیں ۔ اشباع و امالہ، ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں۔ قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں بعض اوقات ایسا ہوتا ہو کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں مثلاً خالق کا قافیہ مالک اس بنا پر روا ہو سکتا ہو کہ ہندی میں ق اور ک کی آواز میں چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق فرق کا طرف، عشاق کا کشاف، شرف کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہو۔ یہ بزرگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ جن عربی الفاظ کے آخر میں

ح اور ع آتے ہیں اُن میں ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے۔ اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گرو کا قافیہ شرو (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہو۔ وہ ان چیزوں کا اس لیے خیال نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں اُنھیں کی زبان میں اُنھیں کے لیے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نو مولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ اصل صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالا ہوتا ہو۔ اُس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن، مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لیے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہو کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا، اُن کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بعہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور اُن کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہو لیکن اردو زبان کا مورخ اُن کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کیے بغیر ختم نہیں کر سکتا۔ یہ بنارس حضرت کبیر کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھ اختلاف

ہے۔ ابو الفضل اور دوسرے مورخوں نے انھیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انھوں نے معرفت الٰہی، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ریا اور ظاہر داری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر، جدت اور زور بھی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روزمرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں اور کڑوی سے کڑوی بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے انھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنا دیا ہے۔ ہندو اُنھیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ اُن کی زبان جیسا کہ اُن کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تا ہی نہ چینھے کوئے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لیے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندوستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پُرانی اور مردہ ہو جائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری میں

ہندوستان کے تقریباً ہر خطّے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہو اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملاکر ایک کر دیا ہو۔ یہیں سے اردو یا ہندوستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہو اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اُس زبان کے اولین بانیوں میں سے ہیں جو ہندوستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہو۔ بلا شبہ اُن کے خیالات اعلیٰ اور اُن کا خلوص بے ریا ہو اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہو۔ لیکن اُس کی زبان نے اُس کے اثر کو زیادہ گہرا کر دیا اور اُن کی سادگی میں حلاوت پیدا کر دی ہو اور ان کی محبوبیت اور مقبولیت کو دہ چند کر دیا ہو۔ وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقع سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم اُن کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہو کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہو۔ یہ پھل اس پیڑ کا ہو جو انھوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

(۱)
رہنا نہیں دیس بیگانا ہو
یہ سنسار کاگد[۱] کی پڑیا ہو
بوند پڑے گھُل جانا ہو

(۲)
بہت دنن بچھڑے ہری پائے
بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳)
جاگ پیاری اب کا سووے
رین گئی دن کاہے کھووے

---

(۱)۔ کاغذ

۴۔ مرے تو مرجائیے چھوٹ پڑے جنجار[1] ایسا مرنا کو مرے، دن میں سو سو بار
۵۔ کبیر یہ گھر پریم کا خالہ کا گھر ناہیں سیس اتارے ہاتھ سے سو بیٹھے گھر ماہیں
۶۔ ایسا کوئی نا ملے جا سوں رہے لاگ سب جگ جلتا دیکھیے اپنی اپنی آگ
۷۔ بیٹھا کہاں مدھوکری بھانت بھانت کو ناج دعویٰ کس ہی کا نہیں بنا ولایت راج
۸۔ کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار پونچ تو پکڑے بھیڑ کی اُترا چاہے پار
۹۔ کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے لے پورپٹن اے گلی پھیر نہ دیکھو آئے
۱۰۔ میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے میرا
۱۱۔ کبیر سکھ کو جائے تھا آگے آیا دکھ جلی سکھ گھر آپنے ہم جانیں اور دکھ
۱۲۔ کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جانیا کیا ہوئے ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تے ایک نہ ہوئے
۱۳۔ ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیر اُداس
۱۴۔ کبیر حد کے جیو سوں ہت کرکھوں نہ بول جے لاگے بے حد موں تن سوں انتر کھول
۱۵۔ کبیر ناؤ ہی جرجری کوڑے[2] کھیون ہار ہلکے ہلکے تر گئے بوڑے[3] جن سر بھار
۱۶۔ سکھیا سب سنسار ہے کھائے اور سووے دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور روے
۱۷۔ کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے سر سونپے سوئی پیے نہیں تو پیا نہ جائے
۱۸۔ چلو چلو سب کوئی کہے موہی اندیسہ اور صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور
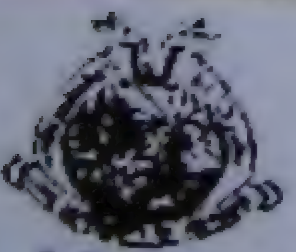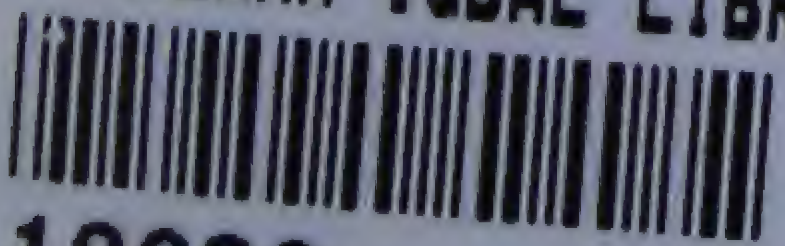
۱۔ جنجال ۲۔ بیوقوف ۳۔ ڈوبے۔

اُردُو

انجمن ترقی اُردُو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکہ انگریزی (آٹھ روپے سکہ عثمانیہ) ہے۔ نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔ (دو روپے سکہ عثمانیہ)۔

رسالہ سائنس

انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا جو بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کرت
قیمت سالانہ صرف چھ روپے سکہ انگریزی (سات روپے سکہ عثمانیہ)۔ نمونے کی قیمت ایک
(ایک روپیہ بارہ آنے سکہ عثمانیہ)

انجمن کی جدید فہرست مطبوعا

نئی فہرست چھپ چکی ہے جس میں انجمن کی اس
کی مختصر تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ طلب کرنے

انجمن تر

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Series No. 74.

THE

Sufis' Work in the Early Development of Urdu Language

by

Dr. MAULVI ABDUL HAQ

Honorary Secretary

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India).

Published by

The Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India)

DELHI.

2nd Edition.

1939

1000. copies.